ویلنٹائن ڈے

تحریر: سہیل احمد لون

فروری کے وسط میں برطانیہ اور یورپ میں شدید سردی اور برف باری کے باعث باغات سمیت ہر شے کو سفید اوڑھنی میں ڈھانپ لیتی ہے ۔ایسے میں "سرخ گلاب "بڑا نایاب ہو جاتا ہے۔خاص طور پر ’’ویلنٹائن ڈے‘‘ پر اس کی مانگ اور قیمت دونوں میں ایسے اضافہ ہو جاتا ہے جیسے وطن عزیز میں گرمیوں میں بجلی اور سردیوں میں گیس کی آب حیات کی طرح افسانوی سی بات لگتی ۔ وقت گزرنے کے ساتھ مغربی مما لک کے اس تہوار کو منانے کے لیے سرخ گلاب کے ساتھ ساتھ کئی دوسری اشیاء بھی بازاروں میں بکنا شروع ہو گئیں جن کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ کیونکہ مغربی معاشرے میں سرخ رنگ کو محبت اور پیار کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔اس وقت برطانیہ سمیت یورپ کے دیگر مما لک معاشی بحران کے عذاب سے گزر رہے ہیں ایسی صورت حال میں ترجیحات تبدیل کرنا مشکل ہو چکا ہے۔اب لوگوں میں اس تہوار کو منانے میں وہ جوش و جذبہ نظر نہیں آتا جو پہلے کبھی ہوا کرتا تھا۔گزشتہ کچھ برسوں سے اس تہوار کی مخالفت کرنے والوں میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے جن کے نزدیک یہ فضول اور محض پیسے کا ضیاع ہے۔مگر حیرانگی اس بات کی ہے گزشتہ کچھ برسوں سے وطن عزیز میں اس "ولائتی تہوار" کو منانے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔اس ولائتی بیماری کو پھیلانے میں ہمارے میڈیا کا کردار بھی ایسا ہی جیسے ڈینگی وائرس کو پھیلانے میں حکومت پنجاب کی غفلت کا۔شاید "جمہوریت "اسی چیز کا نام ہے کہ عوام کوئی بھی رسم یا تہوار کسی بھی "رنگ "میں منائیں اُن کے آزادی اظہار پر کوئی بھی قدغن نہیں لگائی جا سکتی مغرب کی حد تک تو جمہوریت ایسی ہی ہے اور جب برطانوی پارلیمنٹ کو دوسری پارلیمنٹوں کی ماں کہا جاتا ہے تو کچھ بعید نہیں کہ سب بچوں کو اس ماں سے ہی سب کچھ سیکھنا پڑے۔ یہ بات اب نیو ائیر یا ویلنٹائن ڈے تک ہی محدود نہیں رہے گی کیونکہ دوسری طرف بھارتی ذرائع ابلاغ اپنی مذہبی رسومات، تہوار، اور کلچر کا پرچار جس رنگین انداز میں کر رہے ہیں اس کے رنگ میں بھی ہمارا معاشرہ بڑی تیزی سے رنگتا جا رہا ہے۔جیسے آج ویلنٹائن ڈے اور نیو ائیر منائے جا رہے ہیں وہ وقت دور نہیں جب "راکھی "اور "ہولی" کے تہوار بھی ادھر عام ہو جائیں گے ۔ دکھ اور حیرانگی اس بات کی ہے کہ ہم نقل بھی کرتے ہیں تو ان رسموں اور تہواروں کی جو ہماری تہذیب ،مذہب اور ثقافت کا حصہ نہیں ۔جس کے اپنانے سے ہمارے معاشرے میں کوئی صحت مند تبدیلی نہیں آ سکتی۔جن کی تقلید سے ہمارے نظام میں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔اس کے برعکس مغربی معاشرے میں لاتعداد ایسی اچھائیاں موجود ہیں جن کی نقل کرنے سے ہمارے مسائل کم ہونا شروع ہو جائیں گے۔ترقی یافتہ ریاستیں شہری کے حقوق کی ذمہ دار ہوتی ہے، ہر شہری کے جان و مال کا تحفظ یقینی بنانے کے لیے ریاست اپنی پوری کوشش دیانتداری سے کرتی ہے،شہریوں کو بنیادی ضروریات کے لیے ترسنا نہیں پڑتا کیونکہ اسکی ذمہ داری بھی ریاست کی ہوتی ہے، ہر شہری کے لیے بنیادی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے جس کے حصول کو ہر صورت میں ممکن بنائے جانے کے لیے عملی اقدام کیے جاتے ہیں، بنیادی تعلیم کے اخراجات کا ماں باپ کو فکر نہیں ہوتا ،اچھے سکول میں داخلے کے لیے میرٹ کو بنیاد بنایا جاتا ہے یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بچے کے ماں باپ کی معاشی اور سیاسی حالت کیا ہے،غریب آدمی کو قانونی معاملات حل کروانے کے لیے حکومت

کی طرف سے (Legal Aid) پر وکیل کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔حکمران وقت بھی کسی معاملے میں عدالت میں پیش ہونے پر ہتک محسوس نہیں کرتا اور نہ ہی عدالت کی توہین کے مرتکب ہوتے ہیں۔ فوجی جرنیل، جج، یا اشرافیہ کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں اگر وزیراعظم خود کار چلا کر عدالت میں پیش ہو ہی جائے تو اس کو بھی ایک خبر کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے جبکہ یہاں (برطانیہ میں) بڑے بڑے وزیر عام شہریوں کے ساتھ لوکل بسوں اور ٹرینوں میں سفر کرتے عام نظر آتے ہیں۔ وہ خود کو عوام کا خدمت گار تصور کرتے ہیں۔ کسی شہری کو اپنے علاقے کے منسٹر یا میئر کو ملنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے جتنا ہمارے ہاں امام مسجد کو ملنا......!! فرق صرف اتنا ہے کہ ادھر کا وزیر عوام کی خدمت کے لیے ہوتا ہے جبکہ ہمارے امام مسجد کی خدمت کے لیے عوام ہوتی ہے۔ قانون وانصاف کی بالادستی کا یہ عالم ہے کہ کوئی حکمران استثناء کی ڈھال میں اپنے آپکو نہیں چھپاتا اور نہ ہی اپنے قرضوں اور کالی کرتوتوں کو پاک کرنے کے لیے "این آر او کی گنگا میں شنان" کرتا ہے اور نہ ہی پانامہ کیس سامنے آنے پر پارلیمنٹ میں جھوٹ بولتا ہے۔ جہاں عوام کے حقوق کی پاسداری ہوتی ہے وہاں عوام بھی اپنے فرائض انجام دیتی نظر آتی ہے۔ سرکاری، نیم سرکاری، غیر سرکاری ملازمین سمیت بزنس کمیونٹی کے لوگ حکومت کو ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں ٹیکس کی چھری صرف مخصوص طبقے پر ہی چلتی ہے۔ صفائی نصف ایمان ہے مگر ہمارا ملک کو صاف رکھنے کا معیار ہمارے ایمان کا منہ بولتا ثبوت ہے۔اس کے برعکس برطانیہ اور یورپ کے دیگر ممالک میں لوگ پاک ہوں نہ ہوں مگر اپنے گھر بار کے ساتھ گرد و نواح کو بھی صاف رکھتے ہیں۔ مذہبی آزادی کے ساتھ دوسروں کے مذاہب کا احترام بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ ماہ رمضان، عید، ہولی، دیوالی، بیساکھی، کرسمس، ایسٹر جیسے سبھی تہواروں پر عوام کی سہولت کے لئے خصوصی رعایتی سیل لگائی جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں ایسا موقع آنے پر سب ایک دوسرے کی کھال اتارنے میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ جب تعلیمی سال کا آغاز ہوتا ہے تو کتابوں کاپیوں پر بھی عوامی سہولیت کے پیش نظر خصوصی آفر کی جاتی ہیں، جب چھٹیوں کا سیزن آتا ہے تو سستی سفری سہولتوں کے خصوصی پیکیج کا اعلان کیا جاتا ہے۔ ہمارے ٹرانسپورٹرز اور بک اسٹورز پر ایسے موقعوں کے لیے ناجائز منافع خوری کے لیے انتظار کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ کسی قوم کے نظم وضبط کے معیار کا پتہ لگانا ہے تو اس کے ٹریفک کے بہاؤ کو دیکھ لو۔ لندن کی سڑکیں لاہور سے کم کشادہ ہیں اور ٹریفک کا لوڈ بھی بہت ہے مگر یہاں لوگ ٹریفک کے قوانین کا پابندی کرتے ہیں جس سے گاڑی کا پہیہ چلتا رہتا ہے۔ جہاں پیدل چلنے والے کے پاس زیادہ حقوق ہیں مگر ہمارے ہاں الٹی گنگا بہتی ہے۔ پیدل چلنے والوں کی کون پرواکرتا ہے اسی لیے تو فٹ پاتھوں پر ٹھیلے لگے ہوتے ہیں اور سڑکوں پر کہیں بھی پارکنگ کرنا عام سی بات ہے۔ چلو یہ ترقی یافتہ ملک ہیں اس کے علاوہ ہمارے ہمسایہ ملک بھارت کو دیکھا جائے تو اس کی عمر بھی ہمارے ملک جتنی ہی ہے مگر آج بھارت کا شمار دنیا کے بڑے جمہوریت پسند ممالک میں ہوتا ہے، جہاں جرنیلوں کو شب خون مارنے کی عادت نہیں اور نہ ہی انہوں نے کبھی مدت ملازمت میں توسیع لینے کی خواہش ظاہر کی، بھارت نے اپنا نصاب اور تعلیمی نظام بدل کر گزشتہ دو دہائیوں میں اپنی امعیشت کو بتدریج بہتر بنایا ہے، خارجہ پالیسی ایسی بنائی کہ دنیا میں اس کی اہمیت بڑھتی چلی جارہی ہے۔ اپنے سائنسدانوں کو عبرت کا نشان بنانے کی بجائے بلاتعصب عزت بخشی۔ ہمارا دوسرا ہمسایہ ملک چین جو دنیا میں بہترین نقال کے نام سے بھی مشہور ہے مگر اس نے بھی نقل کی تو کسی اچھی چیز کی اور اچھے مقصد کے لیے۔ اس وقت ہمارے ملک کی جو حالت ہے اگر چین "ٹیکنالوجی کا ماہر نقال" نہ ہوتا تو ہمارا کیا حال

ہوتا۔ دنیا میں آج وہی قومیں ترقی یافتہ یا بہتر زندگی گزار رہی ہیں جنھوں نے اپنا نظام اچھے اصولوں پر استوار کیا۔ حضرت عمرؓ کا دور خلافت اس لحاظ سے بڑا سنہری دور تھا کہ ان کے عہد خلافت میں بہت سی اصلاحات متعارف کروائیں گئیں جس کی تقلید مغربی ممالک نے کی اور آج وہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں ہیں۔ حضرت عمرؓ خلیفہ وقت ہونے کے باوجود قاضی کے سامنے پیش ہوئے مگر انہوں نے استثناء کا تصور نہیں دیا۔ ہم کہنے کو تو مسلمان ہیں مگر ہمارا دوغلا معیار ہماری تنزلی کا باعث بنا ہوا ہے۔ آج کے ترقی یافتہ ممالک دراصل اسلام کے سنہری اصول کو بنیاد بنا کر ہی اس مقام تک پہنچے ہیں۔ ان کی بری اور غیر اخلاقی رسموں کو اپنا کر اپنے آپ کو ترقی یافتہ ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ اسی نقل میں ہم اپنی ثقافت، تہذیب اور تاریخ کو ختم کرتے جا رہے ہیں جو ہماری پہچان ہے۔ ہمارے فیملی سسٹم کی مثال دی جاتی تھی اب یہاں بھی مغرب زدہ لوگوں نے اولڈ ہاؤس بنانے اور آباد کرنے شروع کر دیے ہیں۔ نقل کرنے میں برائی نہیں مگر بزرگوں کا قول ہے کہ نقل کے لیے بھی عقل کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ عقل کبھی اپنے مفاد کے خلاف فیصلہ نہیں کرتی۔ مگر افسوس ہم نقل بھی کر رہے ہیں اور عقل سے بھی ہاتھ دھوتے جا رہے ہیں۔ ویلنٹائن ڈے منانے سے کہیں بہتر ہوتا کہ ہم زرعی معاشرے کے لوگ اس موقع پر دنیا بھر میں یہ تہوار منانے والوں کو پاکستان سے سرخ گلاب بھیجتے تو دنیا بھر کہ انسان اس تہوار پر نا صرف پاکستانی گلاب مانگ کر پاکستان کا نام سربلند کر رہے ہوتے بلکہ اپنے اس تہوار میں ہمیں شامل سمجھتے ہوئے اور کروڑوں ڈالر سرخ گلاب کی خریداری کی صورت میں پاکستانی عوام کی جیب میں ہوتے۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔ سرے

sohailloun@gmail.com

05-02-2017